# داستان راستان

استاد شہید مطہّری

## خُون کا مہر

جنگ صفین عنقریب ختم ہونے والی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شام کی فوج آخری شکست سے دوچار ہونے والی ہے لیکن عمرو بن العاص کے فریب نے شکست کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دی اور لڑائی رک گئی ۔

جب اس کو یہ احساس ہو گیا کہ اس جنگ میں شکست حتمی ہے تو اس نے حکم دیا کہ قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے جائیں تاکہ لوگوں پر یہ ثابت کر دیا جائے کہ ہم اپنے اور تمہارے درمیان قرآن مجید کو حاکم تسلیم کرنے کیلئے آمادہ ہیں۔

حضرت علیؑ کے سبھی صاحب بصیرت اصحاب یہ جانتے تھے کہ یہ فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس فریب کا مقصد یہ ہے کہ جنگ رک جائے اور لشکر شام کو شکست سے دوچار نہ ہونا پڑے ۔ کیونکہ جنگ سے قبل متعدد بار حضرت علیؑ کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی تھی مگر ان لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔

لیکن بعض قبائلی اور ظاہر بین لوگوں نے ، فوجی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے کمانڈر کے حکم کا انتظار کئے بغیر ہی ، جنگ روک دی ۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ اصرار کرنے لگے کہ محاذ جنگ پر لڑائی روک دینے کیلئے آپ فوراً حکم صادر کر دیں۔ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ موجودہ صورتحال میں اگر کوئی جنگ جاری رکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس نے قرآن سے جنگ کی ہے!!! حضرت علیؑ نے کہا ۔ " تم لوگ اس چیز سے دھوکا مت کھاؤ ۔ یہ فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ حکم قرآن یہ ہے کہ ہم لوگ جنگ جاری رکھیں ۔ وہ لوگ قرآن کی پیروی کیلئے نہ پہلے آمادہ تھے اور نہ آج اس بات پر آمادہ ہیں کہ قرآنی احکام پر عمل کیا جائے۔ اب ہم لوگ عنقریب ایک نتیجے پر پہونچنے والے ہیں لہٰذا اپنے کو نابودی سے بچانے کیلئے ان لوگوں نے اس فریب سے کام لیا ہے ۔"

ان لوگوں نے جواب دیتے ہوئے کہا ۔ " یہ سب صحیح ہے لیکن اب تو وہ لوگ اس بات کا باقاعدہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم قرآن مجید کو اپنے اور تمہارے درمیان حاکم قرار دینے کیلئے آمادہ ہیں ۔ لہٰذا اب ہمارا ان لوگوں سے جنگ کرنا قطعی جائز نہیں ہے۔ اس اعلان کے بعد ان سے جنگ کا مطلب قرآن سے جنگ کرنا ہے ۔ پس اگر تم نے جنگ بندی کا حکم فوراً نہ جاری کیا تو اسی جگہ ہم تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے ۔ "

اس کے بعد دوسرا موقف اختیار کرنا بالکل بے سود تھا ۔ سخت کشمکش کی حالت پیدا ہو چکی تھی ۔ اگر حضرت علی علیہ السلام اس صورت حال کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہتے تو اس کا انجام اپنی شکست اور دشمن کی فتح کی صورت میں رونما ہوتا ۔ لہٰذا انہوں نے حکم دیا کہ فی الحال جنگی کارروائی روک دی جائے اور تمام سپاہی محاذ جنگ سے واپس آ جائیں ۔"

عمرو بن العاص اور معاویہ کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے۔ چونکہ ان کا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا اور اصحاب علیؑ کے درمیان نفاق و اختلاف پیدا ہو گیا اس وجہ سے وہ لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے ۔ لیکن معاویہ عمرو بن العاص اور کسی دوسرے ماہر و دوررس سیاسی لیڈر کو اس بات کا اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ یہ معمولی سا واقعہ ایک نئے مسلک کی تشکیل کا سبب بن جائیگا۔ اور اس کی بنیاد پر اسلامی مسائل کے سلسلے میں ایک نئے فرقے کی تشکیل عمل میں آ جائے گی اور دینی امور میں ایک ایسے خطرناک طرز فکر کی بنیاد پڑ جائیگی جو بعد میں خود معاویہ اور اس کے جیسے دیگر خلفاء کیلئے انتہائی پریشان کن ثابت ہو گی ۔

بہر حال ایسے مسلک اور طرز فکر کا وجود عمل میں آ گیا اور ایک نئے فرقے کی تشکیل ہو گئی ۔ لشکر علیؑ کے باغیوں نے ، جو بعد میں " خوارج " کے نام سے مشہور ہوئے اس روز خودسری اور استبداد کے ذریعہ جنگ بندی

میں کامیابی حاصل کر لی اور بظاہر حاکمیت قرآن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ طے ہوا کہ دونوں طرف والے اپنا نمایندہ معین کریں اور یہ دونوں نمایندے قرآنی احکام کے مطابق کوئی ایسا فیصلہ کریں جو دونوں کے لیے قابل قبول ہو۔ معاویہ نے عمرو بن العاص کو اپنا نمایندہ منتخب کر دیا۔ حضرت علیؑ نے عمرو بن العاص کے مقابلے میں عباس بن عبد اللہ کو اپنا نمایندہ بنانا چاہا۔ اس موقع پر بھی خوارج نے مداخلت کی اور یہ بہانہ کیا کہ انصاف کرنے والا شخص بالکل غیر جانبدار ہونا چاہیئے اور عبد اللہ بن عباس علیؑ کے رشتہ دار ہیں اس لیے انہیں علیؑ کا نمایندہ نہیں مقرر کیا جا سکتا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے خود ہی ایک نالائق آدمی کو اس کام کے لیے نامزد کر دیا۔

عمرو بن العاص نے ایک دوسرے فریب کا جال پہلے ہی پھیلا رکھا تھا۔ چنانچہ مکمل باہمی موافقت کے بغیر ہی فیصلہ کرنے والی میٹنگ ختم ہو گئی اور کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔

فیصلہ کرنے والی اس میٹنگ نے ایسی مضحکہ خیز صورت اختیار کر لی کہ اس کی تشکیل کا بنیادی مقصد ہی ختم ہو گیا اور معاشرہ پر اس کا کوئی خاص اثر مرتب نہ ہو سکا۔ صرف یہی نہیں بلکہ خود معاویہ اور عمرو بن العاص پر بھی اس کا کوئی خاص اثر نہ پڑا ان لوگوں کو صرف اتنا فائدہ ہوا کہ فوری طور پر جنگ بند ہو گئی اور علیؑ کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اس کے علاوہ ان لوگوں کو اپنی فوجی طاقت کو بڑھانے اور دوسرے کاموں کا موقع مل گیا۔

دوسری طرف جب خوارج کو اس حقیقت کا اندازہ ہو گیا کہ قرآن کو نیزے پر بلند کرنا اور قرآن کو حکم قرار دیئے جانے کی تجویز پیش کرنا محض ایک فریب تھا اور ان لوگوں کو بخوبی سمجھ لیا کہ انھوں نے غلطی کی ہے۔ لہٰذا اپنی غلطی کے ازالہ کیلئے ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ

در حقیقت کسی انسان کو حکومت یا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ حکومت تو بس خداوند عالم کا حق ہے اور خدا کی کتاب سے بہتر کوئی داور نہیں ہے۔

وہ لوگ اپنی گذشتہ غلطی کی تلافی چاہتے تھے لیکن اس سلسلے میں انہوں نے ایسی راہ کا انتخاب کیا کہ اس سے زیادہ بڑی اور خطرناک غلطی سے دو چار ہو گئے۔

ان کی پہلی غلطی محض ایک سیاسی اور فوجی غلطی تھی۔ بڑی سے بڑی فوجی غلطی مخصوص اور محدود مکان و زمان سے مربوط ہوا کرتی ہے اور اس کی تلافی بھی ممکن

> حضرت علیؑ کی نظر میں خوارج سے جنگ کا مطلب چند ہزار افراد سے جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی یہ جنگ اس فکری جمود اور جاہلانہ استدلال کے خلاف تھی جو اسلامی مسائل میں ایک غلط اور بے بنیاد فلسفے کا نتیجہ تھی۔

ہوتی ہے۔ لیکن ان کی دوسری غلطی کی نوعیت فکری تھی جس کی وجہ سے اسلام کے سماجی مسائل میں ایک ایسے غلط فلسفے کی شروعات ہوئی جس کی وجہ سے اسلام کی بنیاد کیلئے زبردست خطرہ پیدا ہو گیا۔ ان کی یہ غلطی یقیناً ناقابل تلافی تھی۔

اپنی اس مخصوص طرز فکر کی بنیاد پر خوارج نے ایک نعرہ بلند کیا کہ "لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ" یعنی خداوند عالم کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے تھے کہ "یہ بات درست ہے لیکن ایک نادرست اور ناجائز مقصد کیلئے استعمال کی جا رہی ہے حکم یعنی فیصلہ اور قانون۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ قانون سازی خداوند عالم کا حق ہے یا اس آدمی کا حق ہے جسے خداوند عالم نے قانون سازی کی اجازت دی ہو۔ لیکن اس جملے سے خوارج کا مقصد یہ ہے کہ حکومت صرف خداوند عالم کے لیے مخصوص ہے حالانکہ انسانی سماج کو ہر اعتبار سے اور ہمہ وقت ایک ایسے مدبر و سرپرست کی ضرورت ہے جو الٰہی قانون کا اجراء کرا سکے"۔ لہ بعد میں خوارج اپنے اعتقاد و عقائد میں قدرے تبدیلی پیدا کرنے کیلئے مجبور ہو گئے۔

خوارج کا یہ نظریہ تھا کہ غیر خدا کی حاکمیت گناہ ہوتی ہے اور اپنے اس نظریہ کی وجہ سے ان لوگوں نے گناہ کیا تھا اس کے لیے توبہ کر لی۔ اور چونکہ حضرت علی علیہ السلام نے "آخر کار" حاکمیت قرآن کی تجویز تسلیم کر لی تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ تم بھی توبہ کرو۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ جنگ بند کرنا اور حکم کی تجویز کو قبول کرنا بہرحال ایک غلطی تھی لیکن اس غلطی کی پوری ذمہ داری تم لوگوں پر ہے میرے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ لیکن چونکہ حکم کی یہ تجویز قطعی غلط ہے لہٰذا یہ میرے لیے ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

بہرصورت خوارج اپنے مخصوص عقائد کی پیروی کرنے لگے اور حضرت علی علیہ السلام کو اس وجہ سے برا بھلا کہنے لگے کہ وہ حاکمیت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ دھیرے دھیرے ان لوگوں نے اپنے عقائد میں شاخیں اور پتیاں بھی پیدا کر لیں اور ایک ایسے مذہبی فرقے کی شکل اختیار کر لی جس کا بیشتر مسائل میں اکثر مسلمانوں سے زبردست اختلاف تھا۔ ان کے مسلک کی سب سے بڑی خصوصیت شدت پسندی

اور قبائلی ذہنیت تھی۔ امر بالمعروف کے سلسلے میں ان لوگوں کا خیال تھا کہ اس سلسلے میں کوئی شرط یا پابندی نہیں ہے بلکہ نڈر اور لاپرواہ ہو کر جدوجہد کی جانی چاہیئے۔

جب تک خوارج صرف اپنے عقائد کے اظہار پر قناعت کئے رہے حضرت علی علیہ السلام نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے ذریعہ اپنی برائی پر بھی کوئی توجہ نہیں دی اور بیت المال سے ان کے حقوق برابر ادا کرتے رہے اور ان لوگوں کو اپنے عقائد کے اظہار اور بحث و مباحثہ کی اجازت دیتے رہے۔ لیکن جب انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر باغیانہ حرکتیں جاری کر دیں تو حضرت علیؑ نے ان کی سرکوبی کا حکم صادر کر دیا۔

نہروان میں حضرت علی علیہ السلام اور خوارج کے درمیان جنگ ہوئی اور اس جنگ میں خوارج کو زبردست شکست ہوئی۔

مسلم اور صاحب اعتقاد ہونے کی وجہ سے خوارج سے جنگ کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ وہ ایسے لوگ تھے جو دوست اور دشمن کا اعتراف کرنے میں دروغ بیانی سے کام نہ لیتے تھے۔ ان کے لہجے میں عجیب قسم کی صراحت تھی، وہ عبادت گذار تھے اور ان میں سے اکثر افراد کی پیشانی پر سجدہ کا نشان نمایاں تھا۔ وہ لوگ تلاوت کلام پاک اور دیگر عبادتی کاموں میں ساری ساری رات بیدار رہا کرتے تھے۔ لیکن بہت جاہل اور سبک مزاج لوگ تھے۔ اسلام کو ایک خشک، جامد اور بے روح مذہب سمجھتے تھے اور اسی انداز میں وہ اس دین کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔

ان لوگوں سے جنگ کرنے اور ان کا خون بہانے کیلئے لوگوں کو آمادہ کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ اگر حضرت علیؑ جیسی عظیم الشان شخصیت درمیان میں نہ ہوتی تو لشکر اسلام کا کوئی سپاہی ان لوگوں سے جنگ کے لیے ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے خوارج سے جنگ کے سلسلے میں افتخار آمیز انداز میں ارشاد فرمایا ہے "یہ میں تھا جس نے کاسہ سر سے فتنہ کی آنکھ نکال لی۔ میرے علاوہ کسی دوسرے شخص میں اتنی ہمت نہ تھی"۔ در حقیقت بات کچھ ایسی ہی تھی۔ یہ صرف حضرت علیؑ کی ذات تھی جس نے ان کی ظاہری مذہبی آرائش اور تقدس مآبی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اور ہر طرح کی زاہدانہ روش کے باوجود انہیں

> متعدد بار علیؑ کے گھر والوں اور دوستوں نے ان سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کیساتھ ایک حفاظتی دستہ کا انتظام کر دیا جائے۔ لیکن امامؑ نے ان لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی تھی

اسلام کا خطرناک دشمن سمجھا۔ حضرت علیؑ جانتے تھے کہ اگر اس طرز فکر اور فلسفے نے، جو عوام میں فطری طور پر مقبول ہوتا جا رہا ہے، عالم اسلام میں اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تو عالم اسلام پر ایسا جمود طاری ہو جائے گا کہ اسلام کا یہ درخت جڑ سے سوکھ جائے گا۔

حضرت علیؑ کی نظر میں خوارج سے جنگ کا مطلب چند ہزار افراد سے جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی یہ جنگ اس فکری جمود اور جاہلانہ استدلال کے خلاف تھی جو اسلامی مسائل میں ایک غلط اور بے بنیاد فلسفے کا نتیجہ تھی۔ حضرت علیؑ کے علاوہ کس کی ہمت تھی جو ایسے محاذ پر قدم رکھ سکے۔

جنگ نہروان میں خوارج کو زبردست نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ اور ان میں اتنی طاقت باقی نہ رہ گئی کہ امید کے مطابق وہ عالم اسلام میں اپنی کوئی جگہ بنا سکیں۔ خوارج کے خلاف علیؑ کی یہ جنگ بہترین سند بن گئی کہ بعد کے خلفاء نے ان لوگوں سے جو جہاد کیا تھا اسے جائز اور لازمی قرار دیا جا سکے۔ بہرحال اس جنگ کے بعد جو خوارج باقی رہ گئے تھے انھوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

اس فرقے کے تین افراد مکہ میں جمع ہوئے اور اپنے خیال میں عالم اسلام کے حالات کا تجزیہ کرنے لگے اور یہ لوگ اس نتیجے پر پہونچے کہ عالم اسلام کی جملہ پریشانی اور بدبختی کا سبب علیؑ، معاویہ اور عمرو بن العاص کا وجود ہے۔ یہی تین آدمی ایسے ہیں جنھوں نے دنیای اسلام کو گوناگوں مسائل میں مبتلا کر رکھا ہے۔

علیؑ وہ آدمی تھے جن کی فوج میں پہلے یہ لوگ سپاہی تھے۔ معاویہ اور عمرو بن العاص وہ تھے جن کا سیاسی مکر و فریب اور فوجی دھوکا اس خطرناک فرقے کی تشکیل کا سبب قرار پایا تھا۔

بہرحال سرزمین مکہ پر جمع ہونے والے ان تین افراد عبدالرحمن بن ملجم، برک عبداللہ اور عمر بن بکر تمیمی نے خانۂ کعبہ میں یہ عہد کیا اور قسم کھائی کہ ان تین آدمیوں کو، جو مسلمانوں کے لیڈر ہیں، رمضان المبارک کی انیسویں (یا سترھویں) شب میں قتل کر ڈالیں گے۔ علیؑ کے قتل کے لیے عبدالرحمن ابن ملجم کو، معاویہ کیلئے برک بن عبداللہ اور عمرو بن العاص کے لئے عمرو بن بکر تمیمی کو نامزد کیا گیا۔ غرض اس ارادہ اور آخری فیصلے کے

ساتھ یہ تینوں افراد ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے اور یہ لوگ اپنے اپنے مقصد کی طرف روانہ ہوگئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم مرکز خلافت یعنی کوفہ کی جانب روانہ ہوگیا۔ برک نے اموی حکومت کے مرکز یعنی شام کا راستہ پکڑلیا اور عمرو بن بکر مصر کی طرف چل پڑا کیونکہ عمرو بن العاص اس وقت مصر کا گورنر تھا۔

انمیں سے دو آدمی یعنی برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر کوئی اہم کام انجام نہ دے سکے۔ کیونکہ برک نے، جسے معاویہ کے قتل کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، معینہ شب میں معاویہ کے پیٹھے پر ایک ضربت لگائی۔ معاویہ کا یہ زخم علاج سے ٹھیک ہوگیا۔ عمرو بن بکر جس نے عمرو بن العاص کے قتل کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ وہ ذاتی طور پر عمر عاص کو نہیں پہچانتا تھا۔ نیز اتفاق کی بات تھی معینہ شب میں اپنی بیماری کی وجہ سے عمرو بن العاص نے خارجہ بن حذافہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مسجد بھیج دیا تھا۔ عمرو بن بکر نے یہ سمجھا کہ عمرو بن العاص یہی ہے لہٰذا ایک ہی وار میں اس نے اُسے قتل کر ڈالا۔ اُسے بعد میں پتہ چلا کہ مقتول عمرو بن العاص نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ ان تینوں آدمیوں میں صرف عبدالرحمٰن بن ملجم ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

عبدالرحمٰن بن ملجم شہر کوفہ میں داخل ہوا اور کسی سے اپنے ارادہ کا اظہار نہ کیا۔ وہ اپنے فیصلے کے بارے میں بار بار غور و فکر کرتا رہا۔ اپنے فیصلے پر مسلسل نظر ثانی کے بعد اس نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔ کیونکہ علیؑ کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ بڑا سے بڑا شقی اور سنگ دل آدمی بھی ان کے قتل کیلئے بآسانی آمادہ ہو جائے لیکن جن اتفاقات کی وجہ سے مصر اور شام میں عمرو بن العاص اور معاویہ کو نجات حاصل ہوئی تھی، عراق میں ایک دوسرا اتفاق رونما ہوا اور اس اتفاق نے ابن ملجم کو اپنے فیصلے پر اٹل بنا دیا۔ اگر یہ اتفاق نہ رونما ہوا ہوتا تو ابن ملجم اپنا ارادہ پوری طرح ملتوی کرچکا تھا لیکن درمیان میں ایک عورت کا عشق آگیا۔

شہر کوفہ میں قیام کے دوران ایک دن عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے ایک ہم مسلک سے ملنے کیلئے اس کے گھر گیا۔ وہاں ایک لڑکی سے اس کی ملاقات ہوئی جس کا نام قطام تھا اور جس کا خارجی باپ

عبدالرحمٰن ابن ملجم شہر کوفہ میں داخل ہوا اور کسی سے اپنے ارادہ کا اظہار نہ کیا۔ وہ اپنے فیصلے کے بارے میں بار بار غور و فکر کرتا رہا۔ اپنے فیصلے پر مسلسل نظر ثانی کے بعد اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا

جنگ نہروان میں قتل ہوگیا تھا۔ قطام انتہائی خوبصورت اور دلکش لڑکی تھی لہٰذا ابن ملجم پہلی ہی نظر میں اس پر دل و جان سے فریفتہ ہوگیا۔ قطام کو دیکھنے کے بعد مکہ میں اس نے جو عہد کیا تھا اسے بھول گیا۔ اور قطام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا اور تمام گزری ہوئی باتوں کو فراموش کردینا چاہا۔

چنانچہ ایک دن ابن ملجم نے قطام کے سامنے شادی کی تجویز پیش کردی۔ قطام نے اس کی تجویز قبول کرلی۔ لیکن اپنے مہر کا تعین کرتے وقت قطام نے دوسری چیزوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک ایسی چیز کا نام لیا جس کو سن کر ابن ملجم کے ہوش اڑ گئے اور اس کے چہرے پر دھواں سا چھا گیا۔ قطام نے کہا "میرے مہر کی فہرست یہ ہے۔ تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز اور خون علیؑ بن ابیطالب!!!"

ابن ملجم نے اپنی معشوقہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "روپیہ، غلام اور کنیز میں ابھی تمہاری خدمت میں حاضر کئے دیتا ہوں۔ لیکن علیؑ کا قتل کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیا ہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے؟ علیؑ کو قتل کرنے کے بعد میں اپنی جان کیسے بچا سکتا ہوں؟" قطام نے کہا "میرا مہر یہی ہے جو میں نے تم سے بیان کردیا علیؑ کو میدان جنگ میں قتل نہیں کیا جا سکتا لیکن محراب عبادت میں یہ کام ممکن ہے اگر قتل علیؑ کے بعد تمہاری جان سلامت رہ گئی تو ہم لوگ پوری زندگی سکون کے ساتھ بسر کریں گے اور اگر اس سلسلے میں تم بھی قتل ہوگئے تو پروردگار سے تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔ میں اس کام کیلئے کچھ لوگوں کو تمہارے ساتھ کرسکتی ہوں تاکہ تم تنہا نہ رہو"

ابن ملجم قطام کے عشق میں بری طرح گرفتار تھا۔ اس سرکش عشق نے اسے کینہ پروری اور انتقام گیری کی برائی روش اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ چنانچہ اس نے پہلی بار اپنا راز ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "در حقیقت میں علیؑ بن ابیطالب کو قتل کرنے کیلئے ہی کوفہ آیا ہوں" قطام ابن ملجم کی اس بات سے وہ بہت خوش ہوئی اور اس نے وردان نامی ایک شخص کو ابن ملجم کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ کرلیا۔ خود ابن ملجم نے ایک دن اپنے ایک ہم خیال اور معتمد

دوست شبیب بن بجرۃ سے ملاقات کی اور اس سے کہا۔

"کیا تو ایک کام میں شرکت کے لیے آمادہ ہے جس کی وجہ سے تجھے دنیا و آخرت دونوں جگہ شرف حاصل ہو سکے؟"

"آخر وہ کون سا کام ہے؟"

"قتل علیؑ بن ابیطالبؑ"

"خدا تجھے موت دے تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ قتل علیؑ بن ابیطالبؑ؟ وہ علیؑ جس نے راہ اسلام میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں؟"

"ہاں وہی علیؑ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ حاکمیت کی تجویز کو تسلیم کر لینے کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے؟ راہ اسلام میں انھوں نے چاہے جتنی گرانقدر خدمت انجام دی ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ نہروان میں انھوں نے ہمارے عبادت گذار اور نمازی بھائیوں کا قتل کیا ہے۔ شرعی اعتبار سے قصاص کے طور پر ہم لوگ انھیں، قتل کر سکتے ہیں۔"

"علی بن ابیطالبؑ پر کیسے غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟"

"بہت آسان ہے۔ مسجد میں ہم لوگ گھات لگا کر بیٹھ جائیں۔ جیسے ہی صبح کی نماز کیلئے وہ مسجد میں داخل ہوں ہم لوگ اپنے کپڑے کے اندر پوشیدہ تلواروں سے ان پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیں۔"

عبدالرحمن ابن ملجم اپنے دوست شبیب کو بڑی دیر تک سمجھاتا رہا۔ آخر کار وہ اس کام کیلئے راضی ہو گیا۔ ابن ملجم اسے اپنے ہمراہ قطام کے پاس مسجد کوفہ لے گیا۔ قطام ان دنوں مسجد کوفہ میں اعتکاف کے عالم میں تھی۔ قطام سے اپنے دوست شبیب کا تعارف کرایا۔ قطام کہنے لگی "بہت خوب وردان بھی تم لوگوں کے ساتھ ہے۔ جس رات تم لوگ آخری فیصلہ کرنا پہلے میرے پاس ضرور آجانا۔"

عبدالرحمن نے خانہ کعبہ میں اپنے ساتھیوں کے سامنے رمضان المبارک کی انیسویں (یا سترھویں) شب تک انتظار کیا۔ معینہ شب میں وہ شبیب کے ساتھ قطام کے پاس گیا۔ قطام نے ان لوگوں کے سینے پر حریر کی پٹی باندھی۔ تھوڑی دیر میں وردان بھی آگیا اور یہ تینوں آدمی اس دروازہ کے قریب بیٹھ گئے جس سے معمولاً حضرت علیؑ مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے۔ وہ عبادت اور پاکیزگی نفس کی رات تھی لہٰذا دوسرے لوگوں کی طرح یہ لوگ بھی نماز اور دیگر عبادتی امور میں مصروف ہو گئے۔

> جب اس کو یہ احساس ہو گیا کہ اس جنگ میں شکست حتمی ہے تو اس نے حکم دیا کہ قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے جائیں تاکہ لوگوں پر ثابت کر دیا جائے کہ ہم اپنے اور تمہارے درمیان قرآن مجید کو حاکم تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں۔

ان تینوں آدمیوں کے دل میں طوفان امنڈ رہا تھا کہیں لوگوں کو ان پر شک نہ ہو جائے لہٰذا یہ لوگ قیام و قعود اور رکوع و سجدہ میں پوری طرح لگے رہے مگر ان لوگوں کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ مسجد میں موجود دوسرے لوگوں کو بڑا تعجب تھا کہ آخر یہ لوگ تھکتے کیوں نہیں۔

دوسری طرف حضرت علی علیہ السلام نے اس رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے لیے مخصوص پروگرام مرتب کر رکھا تھا۔ ہر شب وہ اپنے کسی لڑکے یا لڑکی کے یہاں افطار کیا کرتے تھے۔ کسی شب میں وہ تین لقمہ سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ لڑکے اصرار کیا کرتے تھے کہ کچھ زیادہ کھائیں۔ وہ جواب میں صرف اتنا کہتے تھے "میں چاہتا ہوں کہ جب اپنے پروردگار سے ملاقات کے لیے جاؤں تو میرا پیٹ خالی رہے۔" وہ اکثر یہ کہا کرتے تھے "پیغمبر اسلام نے مجھ سے جو علامتیں بیان کی ہیں اس کے مطابق میری سفید داڑھی میرے سر کے خون سے رنگین ہونے والی ہے۔"

اس رات علیؑ اپنی لڑکی جناب ام کلثوم(س) کے مہمان تھے۔ دوسری راتوں کے مقابلے میں آج ان کے چہرے پر ہیجان اور انتظار کے آثار نمایاں تھے۔ جیسے ہی گھر کے دوسرے لوگ بستر کی طرف روانہ ہوئے انہوں نے اپنا مصلّی بچھایا اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔

صبح نمودار ہونے والی تھی کہ حضرت حسنؑ اپنے والد کے پاس آئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا "میرے فرزند عزیز! آج رات میں بالکل نہیں سویا۔ اور گھر والوں کو بھی بیدار رکھا کیونکہ یہ شب جمعہ شب بدر (شب قدر) کے برابر ہے۔ لیکن بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر کیلئے میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام تشریف لائے ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔

"یا رسول اللہ! آپ کی امت نے مجھے تکلیف دی" پیغمبر نے ارشاد فرمایا "جن لوگوں نے تمہیں اذیت دی ہے ان پر لعنت کرو" میں نے ان لوگوں پر اس انداز میں لعنت کی کہ "اے پروردگار! مجھے ان لوگوں کے درمیان سے جلد از جلد اٹھالے اور ان لوگوں کے

مزاج کے مطابق ان کے درمیان کسی ایسے شخص کو بھیج دے جو ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے جیسا یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں۔"

اسی اثنا میں موذن نے خبر دی کہ نماز کا وقت قریب آگیا ہے۔ علیؑ فوراً ہی مسجد کی طرف روانہ ہوگئے۔ علیؑ کے گھر میں بچوں نے کچھ مرغابیاں پال رکھی تھیں۔ جیسے ہی علیؑ نے گھر سے باہر قدم رکھنا چاہا ان مرغابیوں نے زور زور سے بولنا شروع کر دیا۔ اہل خانہ میں سے کسی نے ان مرغابیوں کو خاموش کرنا چاہا تو حضرت علیؑ نے اس سے کہا" ان سے کچھ مت کہو یہ انکے نالہ و شیون کی آواز اور عزا کا انداز ہے۔"

دوسری طرف عبدالرحمٰن ابن ملجم اور اس کے ساتھی بڑی بیقراری سے علیؑ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ قطام اور اشعث بن قیس کے علاوہ ان لوگوں کے راز سے کوئی واقف نہ تھا۔ اشعث بن قیس ایک پست فطرت آدمی تھا۔ اسے علیؑ کی روش عدالت قطعی پسند نہ تھی اور وہ معاویہ سے خفیہ رابطہ قائم کئے ہوئے تھا۔ اسی درمیان ایک ایسا حادثہ ہوا جس کی وجہ سے ان لوگوں کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا مگر یہ اتفاق کی بات ہے کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اشعث ابن ملجم کے پاس پہونچا اور کہنے لگا" موسم صاف ہوتا جا رہا ہے۔ اگر صبح کی روشنی پھیل گئی تو سوائے تیری ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہ حاصل ہوگا لہٰذا اپنے کام میں جلدی کر۔ تاخیر قطعی مناسب نہیں ہے۔" حضرت علیؑ کے مخلص ساتھی حجر ابن عدی اشعث اور ابن ملجم کی اس رازدارانہ گفتگو کو سن رہے تھے۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ ان لوگوں نے کوئی خطرناک منصوبہ بنا رکھا ہے۔ حجر ابن عدی ابھی ابھی سفر سے واپس آئے تھے۔ ان کا گھوڑا مسجد کے دروازہ پر کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت علیؑ نے انہیں کسی کام سے باہر بھیجا تھا اور واپسی کے بعد وہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں اپنے سفر کی رپورٹ پیش کرنا چاہتے تھے۔

حجر بن عدی نے اشعث کی بات سنی اور اسے برا بھلا کہتے ہوئے فوراً ہی مسجد سے باہر نکل آئے تاکہ حضرت علیؑ کو اس بات سے آگاہ کر دیں اور کوئی ناخوشگوار حادثہ نہ ہونے پائے۔ لیکن جیسے ہی حجر بن عدی حضرت علیؑ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، علی دوسرے راستے سے مسجد پہونچ گئے۔

ان تینوں آدمیوں کے دل میں طوفان امنڈ رہا تھا کہ کہیں لوگوں کو ان پر شک نہ ہو جائے لہٰذا یہ لوگ قیام وقعود اور رکوع و سجدہ میں پوری طرح لگے رہے مگر ان لوگوں کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ مسجد میں موجود دوسرے لوگوں کو بڑا تعجب تھا آخر یہ لوگ تھکتے کیوں نہیں؟

اس سے قبل متعدد بار علیؑ کے گھر والوں اور دوستوں نے ان سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ اجازت دے دیں تو آپ کے ساتھ ایک حفاظتی دستے کا انتظام کر دیا جائے۔ لیکن امام نے ان لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ ہمیشہ تنہا آیا جایا کرتے تھے۔ اس رات بھی ان کی خدمت میں دوبارہ درخواست پیش کی گئی۔ لیکن انہوں نے پہلے کی طرح پھر اس درخواست کو نامنظور کر دیا۔ علیؑ مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا" ایہا الناس نماز! نماز!"

تھوڑی دیر کے بعد اس تاریکی میں بجلی کی طرح دو تلواریں چمکیں اور الحکم للہ یا علی لا لک" کی آواز سے مسجد میں موجود تمام لوگ کانپ اٹھے۔ پہلی تلوار شبیب نے ماری تھی مگر وہ دیوار سے ٹکرا گئی۔ اور وہ گرفتار ہوگیا۔ اور دوسری تلوار عبدالرحمٰن ابن ملجم نے چلائی تھی جو حضرت علیؑ کے سر میں داخل ہوگئی۔ ادھر حجر بن عدی فوراً ہی مسجد کی طرف پلٹے۔ لیکن وہ اس وقت پہونچے جب لوگوں کی زبان پر یہ درد آمیز کلمات جاری تھے۔

" امیر المومنینؑ شہید ہو گئے، امیر المومنینؑ شہید ہو گئے"

ضربت کھانے کے بعد حضرت علیؑ کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات جاری ہو گئے۔

" پروردگار کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا"

پھر آپ نے کہا" یہ آدمی"

ابن ملجم، شبیب اور وردان تینوں مسجد سے نکل بھاگے۔ چونکہ وردان سامنے نہیں آیا تھا اس لیے لوگ اسے نہیں پہچان سکے۔ شبیب بھاگا جا رہا تھا کہ درمیان میں حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے ایک نے اسے گرفتار کر لیا۔ انہوں نے شبیب کی تلوار چھین لی اور اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کا سر قلم کر دینا چاہتے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ لوگ گروہ در گروہ بھاگتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ وہ ڈر گئے کہ انجانے میں کہیں لوگ شبیب کے بجائے انھیں نہ قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ ڈر کے مارے وہ شبیب کے سینے سے اتر آئے۔ اور وہ پھر بھاگ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ شبیب کا چچازاد بھائی اس سے ملنے کی غرض سے گھر آیا۔ جیسے ہی اس کو یہ معلوم ہوا کہ علیؑ کے

قتل میں شبیب بھی شریک تھا اس نے تلوار اٹھائی اور شبیب کو اسی وقت قتل کر ڈالا۔

تھوڑی دیر بعد لوگوں نے ابن ملجم کو گرفتار کر لیا۔ پہلے اس کا ہاتھ باندھا پھر اسے مسجد کوفہ کی طرف لے آئے۔ سارے شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ چکی تھی اور لوگ اُسے اپنے دانتوں سے کچا چبا جانا چاہتے تھے۔

حضرت علیؑ نے لوگوں سے کہا: "عبدالرحمن ابن ملجم کو میرے پاس لے آؤ"۔

لوگ ابن ملجم کو حضرت علیؑ کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس سے پوچھا۔

"کیا میں نے تیرے ساتھ نیکیاں نہیں کیں؟"

"کیوں نہیں"

"پس تو نے میرے اوپر یہ قاتلانہ حملہ کیوں کیا؟"

"بہر حال! پچھلے چالیس دنوں سے میں اس تلوار کو برابر زہر کے پانی میں بجھایا کرتا تھا اور خداوند عالم سے یہ دعا مانگتا تھا کہ زہر میں بجھی ہوئی اس تلوار سے دنیا کے سب سے زیادہ خراب آدمی کے قتل کی توفیق عطا کر دے۔"

بارگاہ خداوندی میں تیری یہ دعا مقبول ہے کیونکہ عنقریب اپنی اسی تلوار سے تو خود ہی قتل کر ڈالا جائے گا۔" اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے بستر کے اردگرد جمع اعزا و اقارب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اے فرزندان عبدالمطلبؑ! دیکھو! تم لوگ کسی کے پیچھے نہ پڑنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ میرے قتل کے بہانے لوگوں کو اس جرم میں شریک سمجھتے ہوئے ان پر الزام لگانے لگو اور عوام میں خونریزی کا بازار گرم کر دو۔

اس کے بعد آپ نے اپنے فرزند حسنؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا حسن! اگر میں زندہ رہ گیا تو مجھے معلوم ہے کہ اس شخص کے ساتھ کیا کیا جانا چاہیئے۔ لیکن اگر میں مرجاؤں تو اس شخص کو ایک سے زیادہ ضربت نہ لگانا کیونکہ اس نے میرے اوپر ایک ہی ضربت لگائی ہے۔ اس کا مثلہ ہرگز نہ کرنا، اس کی ناک کان، اور زبان قطعی نہ کاٹنا کیونکہ پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

"مثلہ سے تم لوگ پرہیز کرو چاہے وہ پاگل کتا ہی کیوں نہ ہو"۔ پس تم اپنے قیدی کی فکر کرو اور دیکھو اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھنا اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا"۔

> علیؑ خداوند عالم کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ محمدؐ خدا کے پیغمبرؐ ہیں خداوند عالم نے انہیں دنیا میں بھیجا تاکہ وہ اپنے دین کو تمام دیگر ادیان و مذاہب پر غالب بنا دے۔ بیشک میری نماز و عبادت اور حیات و موت خدا کی طرف سے اور خدا کیلئے ہے وہ خدا جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

امام حسنؑ کے حکم کے مطابق اس دور کے ماہر طبیب اثیر بن عمرو کو بلایا گیا۔ اس نے زخم کا باقاعدہ معائنہ کیا اور کہنے لگا "جس تلوار سے حملہ ہوا ہے وہ زہر میں بجھی ہوئی تھی لہذا زہر دماغ کے اندر پھیل چکا ہے پس اس کا علاج ناممکن ہے"۔

بہر حال ضربت لگنے کے بعد حضرت علیؑ ۴۸ گھنٹوں تک زندہ رہے۔ اس وقفے کے دوران حضرت علیؑ مسلسل پند و نصیحت اور رشد و ہدایت میں لگے رہے۔ شہادت سے قبل آپ نے مندرجہ ذیل ۲۰ نکاتی وصیت لکھوائی۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ علیؑ بن ابیطالب ان باتوں کی وصیت کرتا ہے۔ علیؑ خداوند عالم کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ محمدؐ خدا کے پیغمبرؐ ہیں۔ خداوند عالم نے انھیں دنیا میں بھیجا تاکہ وہ اپنے دین کو تمام دیگر ادیان و مذاہب پر غالب بنا دے۔ بیشک میری نماز و عبادت اور حیات و موت خدا کی طرف سے اور خدا کے لیے ہے۔ وہ خدا جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہی میرا عقیدہ و ایمان ہے اور میں بارگاہ خداوندی میں تسلیم شدہ لوگوں میں سے ہوں۔

بیٹا حسن! میں تمہیں، اپنے سبھی لڑکوں اور گھر والوں کو مندرجہ ذیل امور کی وصیت کرتا ہوں۔

۱۔ تم لوگ تقویٰ اور خوف الٰہی سے کبھی غافل نہ ہونا اور تادم مرگ خدا کے دین پر ثابت قدم رہنے کی کوشش کرنا۔

۲۔ تم سب لوگ خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا، ایمان و معرفت الٰہی کی بنیاد پر آپس میں متحد و متفق رہنا اور تفرقہ سے دور رہنا۔ پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح و آشتی اور اتحاد و اتفاق نماز اور ہمیشہ روزہ رکھنے سے زیادہ افضل ہے اور جو چیز دین کو محو اور نابود کر دیتی ہے وہ فساد اور اختلاف ہے۔

۳۔ اپنے ارحام اور قرابت داروں سے غفلت نہ کرنا بلکہ ان کے ساتھ صلۂ رحم کرتے رہنا کیونکہ صلۂ رحم خداوند عالم کے سامنے انسان کے حساب کو آسان بنا دیتا ہے۔

۴۔ خدا کی پناہ! خدا کی پناہ یتیموں سے ہرگز غفلت نہ اختیار کرنا۔ خبردار کوئی یتیم بھوکا اور بے سرپرست

نہ رہ جائے۔

۵۔ خدارا! پڑوسیوں کا پورا پورا خیال رکھنا۔ پیغمبرؐ اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں ایسی باتیں بیان کی ہیں اور اتنی تاکید فرمائی ہے کہ ہم لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا تھا کہ وہ پڑوسیوں کو میراث میں شریک بنا دینا چاہتے ہیں۔

۶۔ خدارا! خدارا! قرآن کے سلسلے میں خصوصی توجہ رکھنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآنی احکام کی پیروی میں دوسرے لوگ تم سے آگے نکل جائیں۔

۷۔ خدارا! خدارا! دیکھو نماز کے سلسلے میں پوری طرح آمادہ رہنا کیونکہ نماز تمہارے دین کا ستون ہے۔

۸۔ خدارا! خدارا! خانہ کعبہ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فریضۂ حج معطل ہو جائے اگر حج متروک ہو گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے لوگ تمہیں نگل جائیں گے اور تمہیں اتنی مہلت بھی نہ مل پائے گی کہ تم اپنے کو سنبھال سکو۔

۹۔ دیکھو راہِ خدا میں جہاد سے غفلت نہ کرنا اور خدا کی راہ میں اپنے جان و مال کی پرواہ نہ کرنا۔

۱۰۔ خدارا! خدارا! زکوٰۃ کے سلسلے میں پوری طرح متوجہ رہنا کیونکہ زکوٰۃ الٰہی غیض و غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔

۱۱۔ خدارا! خدارا! اہلبیت پیغمبرؐ کے سلسلے میں غفلت نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ ظلم و ستم کا شکار ہو جائیں۔

۱۲۔ خدارا! خدارا! پیغمبرؐ کے اصحاب اور دوستوں کے بارے میں خاص توجہ رکھنا۔ خود پیغمبرؐ اسلام نے اپنے اصحاب اور ساتھیوں کے بارے میں حسن اخلاق و محبّت کی سفارش کی ہے۔

۱۳۔ خدارا! خدارا! فقراء اور خالی ہاتھ لوگوں کے بارے میں غفلت نہ ہونے پائے بلکہ انھیں زندگی میں اپنا شریک قرار دینا۔

۱۴۔ خدارا! خدارا! غلاموں کے سلسلے میں کوتاہی نہ ہو کیونکہ پیغمبرؐ اسلام کی آخری سفارش انہیں لوگوں کے حق میں تھی۔

۱۵۔ جس کام سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو اسے انجام دینے کی بھرپور کوشش کرنا اور اس سلسلے میں اس بات کی قطعی پرواہ نہ کرنا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

۱۶۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ہرگز نہ چھوڑنا اگر تم نے اسے ترک کر دیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ برے اور ناپاک لوگ تم پر مسلّط ہو جائیں گے اور تمہارے اوپر طرح طرح کے مظالم کریں گے۔ ایسے موقع پر تم میں سے نیک لوگ چاہے جتنی دعا کریں مگر ان کی دعا قبول نہ ہوگی۔

۱۷۔ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا کیونکہ قرآن مجید نے اچھے اخلاق کا حکم دیا ہے

۱۸۔ آپس میں دوستانہ تعلقات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا تمہاری ذمّہ داری ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنا۔ آپس میں کنارہ کشی، علیحدگی، قطع تعلقات اور تفرقہ سے پرہیز کرنا۔

۱۹۔ کارِ خیر کو ایک دوسرے کی مدد سے اجتماعی طور پر انجام دینا اور ایسے کاموں میں تعاون سے پرہیز کرنا جو کدورت، دشمنی اور گناہ کا سبب ہوں۔

۲۰۔ خدا سے ڈرتے رہنا کیونکہ خدا کا غضب سخت ہے۔ خداوند عالم تم لوگوں کو اپنی حمایت کے سایہ میں محفوظ رکھے اور پیغمبرؐ کی امّت کو یہ توفیق عطا کرے کہ وہ تمہارے اور اپنے پیغمبرؐ کے احترام کی حفاظت کرتے رہیں۔ میں تم سبھی لوگوں کو خداوند عالم کی سپردگی میں دیتا ہوں۔ تم سبھی لوگوں پر درود و سلام۔"

اس وصیت کے بعد حضرت علیؑ کی زبان سے لا الہ الا اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا جملہ نہ نکلا اور وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ ●

---

لـه۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۴۰۔ کلمة حق یراد بہا الباطل۔ نعم انہ لا حکم الا للہ ......

لـه ۲۔ انا فقأت عین الفتنہ ولم یکن لیجترئ علیہا غیری بعد ان ماج غیہبہا واشتد کلبہا۔
نہج البلاغہ خطبہ ۹۱

لـه ۳۔ یہ بات انتہائی حیرت انگیز تھی کہ ایک عورت اپنے مہر میں خونِ علیؑ کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ یہ اس دور کے شاعروں کے لیے ایک موضوع بن گیا۔ اس سلسلے میں ایک شاعر نے اپنے کلام میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

ولم ار مهراً ذو سماحة
كمهر قطام من فصيح و اعظم۔
ثلثة آلاف و عبد و قينة
وقتل علي بالحسام المصمم
ولا مهر اعلى من علي وان علا۔
ولا فتك الا دون فتك ابن ملجم۔

لـه ۴۔ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَة۔